© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

وفاقی حکومت نے حال ہی میں ملک کے اندر وطن دشمن رجحانات اور سرگرمیوں کے سد باب کے لیے ایک آرڈی ننس جاری کیا ہے جس کی رو سے اُسے یہ اختیار حاصل ہو گیا ہے کہ وہ ہر ایسی تنظیم یا جماعت کو ملک دشمن قرار دے سکتی ہے جس کی سرگرمیاں ملک کی خود مختاری، علاقائی سالمیت، اور داخلی امن وامان کے حق میں مضر ہوں۔ نیز اس آرڈی ننس نے اُسے اس بات کے بھی وسیع اختیارات دیے ہیں کہ وہ وطن دشمن اور باغیانہ سرگرمیوں کے انسداد کے لیے مؤثر اقدام کر سکے اور ملک کے کسی بھی حصے کی علیحدگی کی کوششوں اور ملک کی خود مختاری و علاقائی سالمیت کے منافی سرگرمیوں اور ایسے علاقائی محاذ قائم کرنے کی کوششوں کو ——— جن کی اساس نسلی و لسانی تصورات پر یا اسی قسم کے دیگر نظریات پر استوار ہو اور جن سے فرقہ وارانہ اور صوبائی تعصب پھیلنے کا اندیشہ ہو یا جن کے ذریعے یہ زہریلا پراپیگنڈا کیا جا سکے کہ پاکستان کے باشندے واحد پاکستانی قوم نہیں ——— خلافِ قانون قرار دیا جا سکے گا۔ اس آرڈی ننس میں ہائی کورٹ کے جج کی سربراہی میں ٹربیونل قائم کرنے اور وطن دشمن سرگرمیوں کے مرتکب افراد کو قید اور جرمانہ کی سزائیں دینے کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے۔

پاکستان کا کوئی بھی بہی خواہ اور محب وطن شہری کسی ایسے اقدام سے اختلاف نہیں کر سکتا جس کا مقصد نظریۂ پاکستان کا تحفظ اور ملک و ملت کے اتحاد اور سالمیت کی پاسبانی ہو۔ مگر ہم یہ بات بڑے دکھ کے ساتھ کہنے پر مجبور ہیں کہ گذشتہ پچیس سال سے یہاں کے مختلف افراد اور جماعتوں اور خصوصاً برسرِ اقتدار طبقوں نے اپنے مخالفین پر وطن دشمنی اور غداری کے الزامات اس کثرت سے لگائے ہیں کہ ان کی معنویت بالکل زائل ہو چکی ہے۔ لوگوں کے اندر اب یہ احساس پوری طرح پرورش پا چکا ہے کہ یہ الزامات حکومت کے اسلحہ خانہ کے وہ زنگ آلود اور بوسیدہ ہتھیار ہیں جنہیں حکومت کارگر اسلحہ سمجھتے ہوئے اپنے مخالفین کے خلاف اپنی عادت کے مطابق بے محابا استعمال کرتی رہتی ہے ورنہ حقیقت میں ان کی حیثیت اب چلے ہوئے کارتوسوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سی ہے جو کسی کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے ۔

عوام کے اندر اگر ان الزامات کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے تو اس کے بعض ٹھوس وجوہ ہیں۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اس ملک میں اب یہ ایک روایت سی بن گئی ہے کہ ہر وہ شخص یا گروہ جو حکومت سے معمولی اختلاف بھی رکھتا ہے یا حکومت کے افکار و نظریات یا اس کے کارناموں پر مدح و ستائش کے بجائے حرف گیری کرتا ہے وہ غدار، تخریب پسند اور وطن دشمن ہے۔ مگر اس کی غداری، تخریب پسندی اور وطن دشمنی کو کسی عدالت میں چیلنج کر کے ثابت نہیں کیا جاتا۔ حکومت کے ذرائع ابلاغ یا برسر اقتدار گروہ کے چند افراد یا ان کے حاشیہ نشین ہی موقع بے موقع اس الزام کو حکومت سے اختلاف رکھنے والے عناصر پر عائد کرتے رہتے ہیں اور جہاں اپنے اس الزام کو زیادہ بودا محسوس کرتے ہیں وہاں اسے زیادہ وزنی بنانے کے لیے تنقید کی زبان کھولنے والوں کو تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ جب کوئی فرد یا گروہ کسی دوسرے فرد یا گروہ پر الزام لگائے اور پھر خود ہی شاہد، منصف اور جلاد کے فرائض بھی سرانجام دینے لگے تو الزام لگانے والوں کا یہ طرزِ عمل خود اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے اس الزام کو کھوکھلا محسوس کر رہے ہیں اس لیے وہ اِس بات کی جرأت نہیں کر سکتے کہ کسی غیر جانبدار شخص یا ادارہ کے سامنے اُسے پیش کر کے اس کے صحیح اور درست ہونے کے بارے میں فیصلہ حاصل کر سکیں۔ انسان خواہ کتنا ہی سلیم الفطرت ہو اس کے اندر یہ کمزوری بہرحال پائی جاتی ہے کہ وہ محبت اور نفرت کی صورت میں انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اس لیے انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہمیشہ یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ مدعی نہ تو گواہ کے کٹہرے میں کھڑا ہو اور نہ انصاف کی کرسی پر براجمان ہو کر اپنے دعوے کے حق میں خود ہی فیصلہ کرنے لگے۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے اِس مروجہ ضابطہ انصاف کو یکسر نظر انداز کر کے برسر اقتدار طبقے خود ہی اپنے مخالفین کے خلاف الزام تراشیاں کرتے ہیں اور پھر خود ہی حکم بن کر اختلاف کرنے والوں کو سزا سناتے ہیں اور بعد ازاں ان کی تعذیب شروع کر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حکومت اپنے خیال میں جن لوگوں کو ناپسندیدہ عناصر سمجھتی ہے ان کے خلاف انصاف کا کوئی تقاضا پورا کیے بغیر دستِ ظلم دراز کر دیتی ہے اور عوام کے اندر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے اس غلط، جابرانہ اور غیر منصفانہ طرزِ عمل سے یہ تاثر قائم ہوتا ہے کہ غداری اور وطن دشمنی کے الزامات بالکل بے بنیاد ہیں اور ان الزام تراشیوں کا مقصد صرف اختلاف کی آواز کو دبانا ہے۔

اس غیر منصفانہ طرزِ عمل کے علاوہ برسرِ اقتدار طبقوں کا مختلف اوقات میں حزبِ اختلاف کے ساتھ عدمِ یکسانیت کا بلکہ متضاد رویہ بھی حکمران طبقے کی نیت کے بارے میں بہت سے شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے۔ آج تختِ شاہی سے اعلان ہوتا ہے کہ فلاں فلاں افراد یا جماعتیں وطن دشمن اور غیر ملکی طاقتوں کی ایجنٹ ہونے کی بناء پر گردن زدنی ہیں اور اگر ان کا قلع قمع نہ کیا گیا تو ملک و ملت کی تباہی یقینی ہے۔ حکومت کے پاس ان کے غیر ملکی طاقتوں کے ساتھ تعلقات اور اُن سے مالی امداد اور عملی رہنمائی حاصل کرنے کے واضح ثبوت موجود ہیں اِس لیے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچانا حکومت کا بنیادی فرض ہے۔ ان تخریب پسند گروہوں کی سرگرمیوں سے حکومت اب اغماض برت کر ملک کی تباہی برداشت نہیں کر سکتی۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ حکومت بڑے وسیع ذرائع اور اختیارات اور ان لوگوں کی تخریبی کارروائیوں اور غیر ملکی قوتوں کے ساتھ ان کے گٹھ جوڑ کے واضح ثبوت رکھنے کے باوجود ان کے خلاف کسی قسم کی قانونی کارروائی کرنے سے ہمیشہ عاجز رہتی ہے اور جب بھی ان کے خلاف کوئی قدم اٹھاتی ہے تو وہ اتنا بھونڈا، غیر معقول اور غیر منصفانہ ہوتا ہے کہ اسے دیکھتے ہوئے صاف پتہ چلتا ہے کہ کوئی منتقم مزاج آمر ملکی سالمیت کی آڑ میں اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے اور ملت کے تحفظ کے نام پر اپنے غیر مسئول اقتدار کے تحفظ میں مصروف ہے۔ عوام یہ سوچنے میں بالکل حق بجانب ہوتے ہیں کہ وطن دشمن سرگرمیوں اور تخریب پسندانہ کارروائیوں کی یہ آخر کونسی قسم ہے جسے تختِ شاہی پر براجمان لوگوں کی قوتِ شامہ تو سونگھ سکتی ہے مگر قانون کی گرفت میں لانے سے قاصر رہتی ہے۔ بغاوت اور تخریب کی جڑیں اگرچہ انسان کے دل و دماغ میں پیوست ہوتی ہیں مگر باغیانہ کارروائیاں اور تخریبی سرگرمیاں کوئی ایسی ڈھکی چھپی حرکات نہیں ہوتیں جو لوگوں کی نظروں سے مستور اور قانون کے احتساب سے باہر رہ سکیں۔ ہمارے ہاں تعزیرات پاکستان کی دفعہ ۱۲۴ الف اور ڈیفنس آف پاکستان رولز ـــــ غداروں اور ملک دشمن سرگرمیوں کا ارتکاب کرنے والوں کا بڑی خوبی سے محاسبہ کر سکتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں حالیہ آرڈیننس کا نفاذ اگر حکمران طبقے کی نیت کے بارے میں ذہنوں میں خلش پیدا کرتا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں خصوصاً جب عوام کو اس بات کا بھی اچھی طرح علم ہے کہ یہ آرڈیننس عین اُس وقت جاری کیا جا رہا ہے جبکہ قومی اسمبلی کا سرمائی اجلاس شروع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہونے ہی والا ہے۔ جمہوریت کے دعوے کے ساتھ ملک میں آرڈیننسوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا شدید رجحان حکمران گروہ کے دعوئے جمہوریت کی کھلی تردید کرتا ہے۔

پھر سیاست کے اتار چڑھاؤ میں یہ تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ آج کے دوست کل کے دشمن ہوتے ہیں اور آج کے دشمن کل کے دوست بن جاتے ہیں مگر یہ مناظر کبھی دیکھنے میں نہیں آئے کہ آج ایک فرد یا گروہ کو پورے یقین اور وثوق کے ساتھ وطن دشمن، ملک و ملت کا غدار اور غیر ملکی ایجنٹ قرار دے کر اُسے عذابِ الیم کی وعید سنائی جارہی ہوتی ہے لیکن یکایک عوام کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اصحابِ اقتدار ان وطن دشمنوں اور غداروں کے ساتھ جیل خانوں میں محبت اور اخوت کے رشتے قائم کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور اگر وہ برسرِ اقتدار طبقے کے معاملے میں اپنے اندر کوئی "خوشگوار تبدیلی" پیدا کرلیں تو ان تخریب پسند عناصر کو اونچے سے اونچے مناصب بھی دیے جاسکتے ہیں۔ اربابِ حکومت کے نقطۂ نظر میں ان معتوب لوگوں کے بارے میں یہ اچانک تبدیلی جس کے بظاہر کوئی وجوہ نہیں ہوتے، ان کے خلوص کو کافی حد تک مشتبہ بنادیتی ہے۔ لوگ اس قلبِ ماہیت پہ حیران ہوتے ہیں کہ اگر کچھ افراد اور گروہ فی الحقیقت وطن دشمن اور تخریب پسند تھے اور جہاں تک ملکی سالمیت کا تعلق ہے اس کے بارے میں ان کے طرزِ فکر اور طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی بھی نہیں آتی تو پھر یہ ناپسندیدہ عناصر آناً فاناً اربابِ اقتدار کی آنکھوں کا تارا کس طرح بن گئے؟ کیا وطن دشمنی کا الزام محض بہتان تھا؟ جس کی کوئی حقیقت نہ تھی اور یہ سب کچھ اختلاف رکھنے والوں کو بدنام اور رسوا کرنے کے لیے کیا جارہا تھا؟ سیاست میں بلاشبہ اختلاف اور اتحاد کے دوائر بدلتے رہتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوا کہ ملک و ملت کے بہی خواہوں نے قوم و وطن کے بدخواہوں سے اتحاد کرنا گوارا کیا ہو۔ اس کی صرف دو ہی صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ جن لوگوں کو ملک و ملت کا بدخواہ کہہ کر بدنام کیا جارہا ہے وہ ان کے حقیقی خیر خواہ ہوں مگر برسرِ اقتدار طبقہ کی ہاں میں ہاں ملانے پر اپنے آپ کو آمادہ نہ پاتے ہوں یا برسرِ اقتدار طبقہ ملک و ملت کے مفاد کے بارے میں اتنا بے حس ہو کہ وہ اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر ہر اُس فرد یا گروہ کو سینے سے لگانے کے لیے تیار ہو جو اس معاملے میں اس کا کچھ بھی معاون ثابت ہوسکتا ہو۔

جب حالات یہ ہوں تو ملکی سالمیت کے کسی آرڈیننس کے بارے میں عوام کے اندر مختلف قسم کے شکوک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا پیدا ہونا بالکل قدرتی امر ہے اور انہیں اگر اس سلسلے میں یہ خدشہ لاحق ہو کہ یہ آرڈیننس ملکی سالمیت کے لیے نہیں بلکہ مسندِ اقتدار کے تحفظ کے لیے جاری کیا گیا ہے تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ کسی ملک یا معاشرے میں قانون کا اجرا اس کی ہیئتِ اجتماعیہ کو ایک خاص نظم و ضبط کا پابند بنانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس نظم و ضبط کی نوعیت اور اس کا مزاج کیا ہو اس کا دارو مدار اُن آرزوؤں اور امنگوں پر ہوتا ہے جن کی تکمیل کے لیے کوئی قوم جبلتی اور جدوجہد کرتی ہے۔ اس نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو قانون کی حیثیت ان تحفظات کی سی ہے جو کسی شاہراہ میں پُرخطر مقامات پر نصب ہوتے ہیں تاکہ گزرنے والے افراد اور قافلوں کو نہ صرف خطرات کے مہیب غاروں سے بچایا جائے بلکہ انہیں صحیح راہ پر اور ٹھیک سمت کی طرف گامزن ہونے میں بھی مدد دی جائے۔ قانون اپنے اندر ایجابی اور سلبی دونوں پہلو رکھتا ہے ایک طرف اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کا محاسبہ کرے جو کسی معاشرے کی اساسی اقدار کو نقصان پہنچانے کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ذریعہ بنتے ہیں تو دوسری طرف اس کا کام ان گزرگاہوں کی حفاظت اور پاسبانی بھی ہے جن پر چل کر کوئی قوم منزلِ مقصود تک پہنچتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا کوئی قوم منزلِ مقصود کا واضح تعین کیے اور اس تک پہنچنے کے لیے قومی امنگوں اور آرزوؤں کا مناسب زادِ سفر فراہم کیے بغیر محض قانونی شکنجوں کے بل بوتے پر ایک قوم بن سکتی ہے۔ قانون کی حیثیت جیسے کہ ہم نے پہلے عرض کی ہے راستے کے تحفظات کی ہے۔ اگر جادہ و منزل ہی متعین نہ ہوں اور کسی مخصوص راہ پر اور مخصوص منزل کی طرف گامزن ہونے کی آرزو پیدا کرنے کا کوئی التزام ہی نہ ہو تو پھر قانونی شکنجوں کی اس کے علاوہ اور کیا حیثیت رہ جاتی ہے کہ جو مسندِ اقتدار سنبھالنے کی وجہ سے ان شکنجوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو جائے وہ انہیں اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے جس طرح چاہے استعمال کرتا رہے۔ اگر اس ملک کا تحفظ اور اس ملت کی سلامتی ہمارے حکمرانوں کو فی الحقیقت عزیز ہے اور وہ اس کی سچی تڑپ اور آرزو بھی رکھتے ہیں تو پھر انہیں محض قانونی جکڑ بندیوں کا سہارا لینے اور ان پر اعتماد کرنے کے بجائے اس مقصد کے لیے بعض ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ کسی ملک اور ملت کی تشکیل بڑا صبر آزما کام ہے اور اس کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے مگر ہم جن نازک حالات سے گزر رہے ہیں ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے چند باتیں بالکل ناگزیر ہیں اور اگر اب بھی ملک کے برسرِ اقتدار طبقے نے اُن کی طرف پوری سنجیدگی سے توجہ نہ دی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سیاسی میدان میں اپنے حریفوں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہی میں اپنی قوت و طاقت کھپاتا رہا تو پھر اس ملک کو کوئی چیز بھی تباہی سے نہیں بچا سکتی۔

اس ضمن میں سب سے پہلی بات جو علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لیے بنیادی کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ اس خطۂ پاک میں قوت و طاقت کے اس لازوال سرچشمہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے جو باشندگانِ ملک کے مختلف اور متضاد عناصر کو باہم جوڑ کر ایک قوم بنا سکتا ہے۔ اگر آپ محض وطنیت کی اساس پر پاکستانی عوام کو ایک قوم بنانا چاہتے ہیں تو آپ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں جس کا جتنی جلدی ازالہ کر دیا جائے اتنا ہی آپ کے حق میں اور ملک و ملت کے حق میں مفید ہو گا۔ تحریکِ پاکستان جس کے نتیجے میں یہ ملک معرضِ وجود میں آیا وہ مغرب کے تصورِ وطنیت کے خلاف ایک زبردست چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی اور اس نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ قومیں اوطان سے نہیں بلکہ افراد کے اساسی تخیلات، ان کی اقدارِ حیات، ان کی اجتماعی آرزوؤں اور امنگوں اور ان کی آئڈیالوجی سے تشکیل پاتی ہیں۔ اگر وطن کی اساس پر ہی پاکستانی قومیت کی تشکیل کرنا مقصود تھا تو پھر اس نیم برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک الگ خطۂ ارض کا مطالبہ اپنے اندر کوئی معنویت نہ رکھتا تھا۔ مطالبۂ پاکستان میں جو جان اور معنویت تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ہم دنیا کے سامنے یہ دعویٰ لے کر اٹھے تھے کہ مسلم قوم بحیثیتِ قوم اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی صورت گوارا نہیں کر سکتی جو اس کے دینی تصورات سے مغائرت رکھتی ہو۔ اس کے نزدیک امورِ مذہبی اور امورِ دنیا کے مابین کوئی حدِ فاصل نہیں کھینچی جا سکتی بلکہ اس کا دین جس کی پیروی کی وہ دعویدار ہے وہ ان دونوں پر یکساں طور پر محیط ہے۔ دین کے اس ہمہ گیر، انقلاب انگیز اور حیات آفریں تصور نے پاکستان اور پاکستانی قومیت کو اساس فراہم کی۔ یہ اس تصور ہی کا اعجاز تھا کہ ہندوستان کے وہ مسلمان جنہیں اس امر کا پورا یقین تھا کہ پاکستان کے معرضِ وجود میں آجانے کے بعد وہ یکسر ہندو اکثریت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیے جائیں گے اور دنیاوی نقطۂ نظر سے ان کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا انہوں نے پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ جوش و خروش کے ساتھ تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا۔ وہ ہندو اکثریت کے علاقوں میں رہنے کے باوجود تصورِ پاکستان سے سرشار اور اپنے آپ کو پاکستانی قومیت کا جزو لاینفک سمجھتے ہوئے اس ملک کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لیے آمادہ رہے۔ دین کا وہ تصور جس کے صدقے میں یہ ملک معرضِ وجود میں آیا ہوا اور جس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روایات ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی کے رگ و پے میں پوری طرح سرایت کر چکی ہیں اس سے اگر ملکی و ملی تحفظ کا کام نہ لیا گیا تو اور کون سی بنیاد اس کام کے لیے مفید اور کار آمد ثابت ہو گی۔

مگر یہ ہماری انتہائی بد قسمتی ہے کہ وہ دین جس کی وجہ سے ہمیں ایک الگ خطۂ ارض حاصل ہوا، جس نے ہمارے اندر اپنی صلاحیتوں کو تعمیر و ترقی کی راہ پر لگانے کا جذبہ و آرزو پیدا کی اس سے ہم نے ہمیشہ مجرمانہ تغافل برتا اور اس بات کی ہر لحظہ کوشش کی کہ خیر و برکت اور قوت و طاقت کے اس اتھاہ سمندر سے نہ صرف یہ کہ خود فائدہ اٹھانے سے گریز کیا جائے بلکہ دوسروں کو بھی اس سے باز رکھا جائے اور صرف عوام کے جذبات سے کھیلنے یا انہیں بے وقوف بنانے کے لیے کبھی کبھی اس کا نام عقیدت و احترام سے لے کر انہیں یہ تاثر دینے کی کوشش کی جائے کہ وہ اس کی محبت میں گرفتار رہیں۔ اگر اسلام کو فی الحقیقت ہماری اجتماعی زندگی کی اساس بنایا جاتا تو ہماری ملکی و قومی سالمیت کو وہ خطرات پیش نہ آتے جو اب اسے آ رہے ہیں اور جس کے نتیجہ میں نصف سے زیادہ پاکستان ہندو استعمار کے قبضے میں چلا گیا ہے اور باقی نصف جو رہ گیا ہے وہ بھی شدید خطرات کے نرغے میں گھرا ہوا ہے۔ اگر اس ملک کا موجودہ حکمران طبقہ ان خطرات سے ملک کو بچانا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس دین کے بارے میں اپنے آپ کو یکسو کرنے کی ضرورت ہے جو اس ملک و قوم کے لیے شہ رگ سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہے اور جسے ذرا سا گزند پہنچنے سے یہ ملک تباہ ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ سخت نادان ہیں جو ابھی تک اس غلط فہمی کا شکار چلے آ رہے ہیں کہ وہ دین سے غفلت برت کر محض آرڈیننسوں کی قوت سے اس ملک کو مستحکم اور مضبوط بنانے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ غالباً ان کی اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اسلام سے تعلقِ خاطر کے دعوے اور ملکی سالمیت کے تحفظ کی آرزو رکھنے کے باوجود وہ دین کے معاملے میں یکسو نہیں ہو سکے۔ وہ خود بھی اور ان کے یمین و یسار جو لوگ موجود ہیں وہ بھی بھانت بھانت کی بولیاں بولتے رہتے ہیں جنہیں سن کر اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں ہو سکتا کہ یہ لوگ کس منزل کی طرف بڑھنے کا عزم اور ارادہ رکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں اس وقت ملک میں جو دستور نافذ ہے اس کی رو سے ہمارے اربابِ بست و کشاد اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ملک کی اجتماعی زندگی کو جہاں تک جلد ممکن ہو اسلامی سانچوں میں ڈھالیں تاکہ قوم کے مختلف اجزاء کے مابین فکر و نظر کی ہم آہنگی اور عمل کی یکسوئی پیدا ہو۔ اگر اس سمت کی طرف کوئی قدم اٹھایا جاتا تو (باقی بر صفحہ ۴۵)

© rasailojaraid.com